صراطِ مستقیم

جناب محمد یعقوب صاحب - شعبۂ جغرافیہ، پشاور یونیورسٹی

قرآنِ پاک جس راستے کا داعی ہے اس کا نام قرآن ہی نے صراطِ مستقیم رکھا ہے — صراطِ مستقیم کی اہمیت کو سمجھنے کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ تمام مفسرین کے مطابق سورۂ فاتحہ قرآن مجید کی اہم ترین سورۃ ہے - اس سورۃ میں دینے والا خود مانگنے کا طریقہ سکھاتا ہے مکمل سورۃ میں جو دُعا مرکزی اہمیت رکھتی ہے وہ صرف یہ ہے کہ: "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ" - اور مالکِ کائنات اس مختصر سی دُعا کے جواب میں مکمل قرآنِ حکیم عطا فرماتا ہے اور ساتھ ہی ارشاد ہوتا ہے کہ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ -

اس راستے کی تلاش انسانی فطرت کا تقاضا ہے - تمام انبیاء اس راستے پر چلے اور اس کی دعوت دیتے رہے -

غلط اور ٹیڑھے راستے تو بہت سے ہیں، مگر سیدھا راستہ صرف ایک ہے - سورۂ نحل کی آیت نمبر ۹ میں ارشادِ ربانی ہے کہ "یہ اللہ کے ذمے ہے کہ وہ سیدھا راستہ بتائے اور ٹیڑھے راستے بہت ہیں - حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صراطِ مستقیم کی جو تشریح فرمائی ہے - اس کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ رسول اللہ نے ہمارے سامنے ایک سیدھا خط کھینچا، پھر اس خط کے داہنے بائیں دوسرے خط کھینچے اور فرمایا کہ داہنے بائیں کے یہ خطوط وہ طریقے ہیں جو شیاطین نے ایجاد کئے ہیں اور ان میں سے ہر راستہ پر

ایک شیطان مسلط ہے جو لوگوں کو اس طرف چلنے کی تلقین کرتا ہے۔ پھر سیدھے خط کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: یہ میرا راستہ ہے (یعنی صراطِ مستقیم) تم اس کا اتباع کرو۔

صراطِ مستقیم کی پہچان اس راستے کو پہچان لینا سب سے بڑا علم اور سب سے بڑی کامیابی ہے۔ اسی کو نہ پہچاننے کی وجہ سے افراد اور قومیں گمراہ ہوئیں، ورنہ خدا طلبی اور مجاہدات کی توجہت سے اہلِ کفر و ضلالت میں بھی کمی نہ تھی۔ اس لیے قرآن پاک نے پوری وضاحت کے ساتھ صراطِ مستقیم کا مطلب سمجھا دیا ہے اور اعلان بھی کر دیا ہے کہ "ہم نے اسے نصیحت حاصل کرنے والوں کے لیے آسان کر دیا ہے، پھر ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟" صراطِ مستقیم کی تعریف صرف ایک ہے اور یہ لفظ اتنا عام فہم ہے کہ ہر زبان میں اس کا بالکل ہم معنی لفظ موجود ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد کے مطابق اللہ کے عالمگیر دین کی حقیقت ظاہر کرنے کے لیے صراطِ مستقیم سے بہتر کوئی تعبیر نہیں ہو سکتی تھی۔ اس راستے کی اہمیت کے پیش نظر یہ ضروری تھا کہ اس کے نقوش اور سنگ ہائے میل پوری طرح معلوم ہوں اور یہ بھی معلوم ہو کہ مسافر کو کس قسم کی رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اور اس کے مخالفین کس قسم کی خصوصیات اور ہتھیاروں سے مسلح ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

"اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ان سے کہو کہ آؤ میں تمھیں سناؤں کہ تمھارے رب نے تم پر کیا پابندیاں عائد کی ہیں؟ — یہ کہ (۱) اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ اور (۲) والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ اور (۳) اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو — ہم تمھیں بھی رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی دیں گے۔ اور (۴) بے شرمی کی باتوں کے قریب بھی نہ جاؤ، خواہ وہ کھلی ہوں یا چھپی۔ اور (۵) کسی جان کو جسے اللہ نے محترم ٹھیرایا ہے، ہلاک نہ کرو مگر حق کے ساتھ — یہ باتیں ہیں جن کی ہدایت اس نے تمھیں کی ہے، شاید کہ تم سمجھ بوجھ سے کام لو۔ اور (۶) یہ کہ یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر ایسے طریقے سے جو بہترین ہو۔ یہاں تک کہ وہ رشد کو پہنچ جائے اور (۷) ناپ تول میں پورا انصاف کرو۔ ہم ہر شخص پر ذمہ داری کا اتنا ہی بوجھ رکھتے ہیں جتنا اس کے امکان میں ہو۔ اور (۸) جب

بات کہو انصاف کی کہو، خواہ معاملہ اپنے رشتہ دار کا ہی کیوں نہ ہو، اور (۹) اللہ کے عہد کو پورا کرو۔ ان باتوں کی ہدایت اللہ نے تم کو کی ہے۔ شاید کہ تم نصیحت قبول کرو۔ نیز اس کی ہدایت یہ ہے کہ یہی میرا راستہ ہے، لہٰذا تم اس پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ اس کے راستے سے ہٹا کر تمہیں پراگندہ کر دیں گے۔ یہ وہ ہدایت ہے جو تیرے رب نے تم کو دی ہے شاید کہ تم کج روی سے بچو" ۶: ۱۵۱ — ۱۵۳۔

اللہ تعالیٰ نے کمال رحمت سے صراطِ مستقیم کی وضاحت اس طرح فرمائی جیسے ایک اچھا استاد بچوں کو پہلے آسان زبان میں ایک چیز کا مطلب سمجھاتا ہے اور پھر اسی کے مطابق عمل کر کے انہیں دکھاتا ہے۔ غور کریں کہ صراطِ مستقیم کے تعین کے لیے یہ نہیں فرمایا کہ یہ صراطِ قرآن یا صراطِ رسولؐ ہے، حالانکہ سارا قرآن اسی صراطِ مستقیم کی تشریح ہے اور سنت رسولؐ اس کی تفصیل۔ مگر اس راستے کا تعین کرنے کے لیے ایجابی اور سلبی پہلوؤں سے وضاحت کر دی۔ چنانچہ فرمایا" یہ ان لوگوں کا راستہ ہے جن پر انعام کیا گیا"۔ یعنی انعام یافتہ لوگوں کے نقشِ قدم پر چلو تو خود ہی صراطِ مستقیم پا لو گے۔ صرف اور محض قرآن سے انسان از خود اپنی پوری پوری تربیت کے لیے رہنمائی اخذ نہیں کر سکتا۔ اگر خالی قرآن سے سارا کام چل جاتا تو نبی کی ضرورت نہ ہوتی۔ اسی طرح سلسلۂ رسالت بھی حضور اکرمؐ پر ختم ہو گیا۔ اب تو کوئی رسول آنا ہی نہیں۔ لہٰذا ان لوگوں کی نشان دہی ضروری ہے جو ہر زمانے میں موجود ہوں۔ ایسے لوگوں کا ذکر بار بار قرآن میں آیا ہے۔ اور ان کی زندگیوں کے لازمی پہلوؤں کی وضاحت بھی کر دی گئی ہے۔ ان کے اعمال کا مفصل ذکر ہے اور ان کے بدلے میں جن انعامات سے ایسے لوگوں کو نوازا گیا اور جن انعامات کا ان کے ساتھ وعدہ کیا گیا ہے، ان کی تفصیل بھی موجود ہے۔ ایک مقام پر انعام یافتہ لوگوں کا تعین اس طرح کیا گیا۔" اور جس کسی نے اللہ اور رسول کی اطاعت کی، بلاشبہ وہ ان لوگوں کا ساتھی ہوا جن پر اللہ نے انعام کیا ہے"۔ ان لوگوں کی راہ پر ہی چلنے کے لیے صراطِ مستقیم کی دعا کے ساتھ ہی بندہ اپنے رب سے دعا مانگتا ہے اور درخواست کرتا ہے کہ مجھے ایسے

لوگوں کے راستے پر چلا جن پر تو نے انعام کیا۔ ایک مقام پہ فرمایا: "اور جس نے اللہ اور رسول کی اطاعت کی تو بلاشبہ وہ ان لوگوں کا ساتھی ہوا جن پر اللہ نے انعام کیا ہے۔ یہ انعام یافتہ راہ نبیوں کی، صدیقین کی، شہدا اور نیک عمل انسانوں کی ہے۔ اور کیا اچھی ان کی رفاقت ہے"۔ تو معلوم ہوا کہ اطاعت تو اللہ ہی کی کرنی ہے، مگر اس طریقے سے کرنی ہے جس طرح انبیاء، صدیقین، شہداء اور نیک عمل انسانوں نے کی۔

نبی کی پہچان تو آسان ہے کیونکہ اس کا رابطہ براہِ راست اللہ تعالیٰ سے ہوتا ہے اور جہاں مناسب ہو، اُسے نشانیاں اور معجزے بھی عطا ہو جاتے ہیں تاکہ لوگ اسے پہچان لیں۔ جن لوگوں نے انبیاء پر ایمان نہیں لایا اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ انہوں نے انبیاء کو پہچانا نہیں، بلکہ ذاتی نقصانات اور تعصبات مانع رہے۔ یہ نقصانات ناجائز حاصل کردہ اقتدار اور مفادات و تعیش کے تھے۔ جو نبی کی پیروی کرنے سے چھوڑنے پڑتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیشہ انبیاء کی مخالفت با اختیار، برسرِ اقتدار اور دولت مند لوگوں نے ہی کی ہے اور ان کے اوّلین پیرو عموماً وہی لوگ رہے ہیں جن کا گمراہ معاشروں میں کوئی مقام نہ تھا۔ آج بھی دنیا میں احیائے دین کی تحریکیں جہاں کہیں چل رہی ہیں، انہیں ایسی ہی مشکلات کا سامنا ہے۔ نبی کے صراطِ مستقیم پہ ہونے کی سند اللہ تعالیٰ نے خود ہی دی ہے۔ لہٰذا اس کے پیرو یقیناً صراطِ مستقیم پہ ہوتے ہیں۔ خاتم النبیین کی بعثت کے بعد صرف آپؐ والا راستہ ہی اللہ تعالیٰ تک پہنچاتا ہے۔ ایک دفعہ آپؐ نے فرمایا کہ اگر موسیٰؑ بھی ہوتے تو وہ بھی میری ہی پیروی کرتے۔ نبی اکرمؐ کی صراطِ مستقیم پہ ہونے کی یقین دہانی اللہ تعالیٰ نے سورۂ یٰسٓ میں ان الفاظ میں فرمائی ہے: "قسم ہے قرآن حکیم کی کہ تم رسولوں میں سے ہو اور صراطِ مستقیم پہ ہو"۔ اس سے واضح ہوا کہ بالکل یقینی صحیح راستہ نبی اکرمؐ والا ہی ہے۔ اور اس کی بنیادی وجہ بھی ایک آیت سے معلوم ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ آپؐ سے فرماتے ہیں: "تم اس کتاب کو مضبوطی سے تھامے رکھو، جو تم پر وحی کی گئی ہے" (۴۳:۴۳)۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ تک رسول اللہؐ کو بھی اپنی مرضی سے کوئی راستہ ایجاد کرنے کی اجازت نہیں، کجا کہ لوگوں کے خود ساختہ راستے، مراقبے یا

چلتے وغیرہ جن کی تصدیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہے۔
ارشاد ربانی ہے: "اور وہ جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہیں وہی اپنے رب کے نزدیک صدیق اور شہداء ہیں۔ ان کے لیے اُن کا اجر اور ان کا نور ہے"۔ ۵۷:۱۹۔ مفسرین کے مطابق یہاں ایمان لانے والوں سے مراد وہ صادق الایمان لوگ ہیں جو ہر آزمائش میں پورے اُتریں اور جس قربانی کا تقاضا بھی ایمان کرے بخوشی پیش کر دیں۔ صدیق، صادق کا مبالغہ ہے، یعنی نہایت ہی سچا، جس میں ایمان، تصدیق اور پابندی و اطاعت مکمل درجہ کی ہو۔ اور جو ایک خالص سچے، مطابقِ حقیقت قول کو صدقِ دل سے مانتے اور عمل سے اس کا ثبوت بھی دے۔ ایسا صادق الوعد سچا دوست جو آزمائش کے موقع پر دوستی کا حق ادا کر دے، اور جس کا عمل اُس کے قول کے مطابق ہو۔ جو صرف حق اور صداقت کا ہی ساتھ دے، جس سے توقع ہی نہ کی جاسکتی ہو کہ وہ اپنے قول سے ہٹے گا۔ اور جس چیز کو حق و صداقت کے خلاف پائے گا اس کے مقابلہ میں ڈٹ جائے گا۔ صدیقیت کا معیاری نمونہ حضرت ابوبکر صدیقؓ تھے۔ یہ حقیقت ہے کہ سیدنا صدیق اکبر نہ ہوتے تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا مفہوم اُمت پر پوری طرح واضح نہ ہوا ہوتا۔ آپؐ کی ساری زندگی جس میں اسلام سے پہلے کا دَور بھی شامل ہے۔ گواہی دیتی ہے کہ آپ فطرتِ سلیمہ کے مالک تھے۔ دَورِ جاہلیت میں بھی نیک عمل تھے۔ شراب، شرک اور دوسرے گناہوں سے بچتے تھے۔ بہ طورِ خاص آپ کو نبی اکرمؐ کی رفاقت کا شرف نبوت سے پہلے بھی حاصل تھا، کیونکہ "کند ہم جنس باہم جنس پرواز"۔ قابلِ ذکر ہیں۔ وہ الفاظ جو قریش کے ایک سردار ابو الدغنہ نے صدیق اکبر کے بارے میں کہے۔ جب ابوبکر صدیقؓ مکے والوں کے ستانے سے تنگ آگئے تو اکیلے حبشہ کی طرف ہجرت کے لیے روانہ ہوگئے۔ کئی دنوں کی مسافت طے کرنے کے بعد ابو الدغنہ آپ کو راستے میں مل گئے اور پوچھا کہ اے ابوبکر! کہاں جارہے ہو؟ آپ نے جواب دیا کہ تیری قوم مجھ کو رہنے نہیں دیتی، چاہتا ہوں کہ الگ کہیں جاکر خدا کی عبادت کروں اس لیے مکے کو چھوڑ رہا ہوں۔ ابو الدغنہ نے کہا کہ نہیں، یہ نہیں ہوسکتا کہ تم جیسا آدمی مکہ سے نکل جائے۔ میں تم کو اپنی پناہ میں لیتا ہوں۔ وہ آپ کو واپس لے آئے اور مکہ کے

تمام قبیلوں کے سرداروں کو بلا کر کہا کہ ایسے شخص کو نکالتے ہو جو مہمان نواز ہے، مفلسوں کا مددگار ہے، رشتہ داروں کو پالتا ہے اور مصیبتوں میں کام آتا ہے۔ عبرت ہوتی ہے کہ قریب قریب یہی الفاظ ام المومنین حضرت خدیجہؓ نے رسول اکرمؐ کے بارے میں فرمائے تھے، جب آپ پہلی وحی کے موقع پر خوف زدہ ہو کر غارِ حرا سے گھر تشریف لائے۔ بہرکیف سردارانِ قریش نے ابوالدغنہ سے کہا کہ شرط یہ ہے کہ ابوبکرؓ نمازوں میں چپکے چپکے قرآن پڑھیں، جہر سے قرآن پڑھتے ہیں تو ہماری عورتوں اور بچوں پر اثر ہوتا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے چند روز یہ پابندی کی، لیکن آخر اپنے گھر کے پاس ایک مسجد بنالی اور اس میں خشوع و خضوع کے ساتھ بآوازِ بلند قرآن پڑھنے لگے۔ آپ نہایت رقیق القلب تھے، قرآن پڑھتے تو بے اختیار روتے۔ عورتیں اور بچے آپ کو دیکھتے تو متاثر ہوتے۔ قریش نے ابوالدغنہ سے شکایت کی۔ اُس نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ اب میں تمہاری حفاظت کا ذمہ دار نہیں ہو سکتا۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے خدا کی حفاظت بس ہے۔ جناب صدیق اکبرؓ نے اطاعتِ رسولؐ کو اس طرح اپنا مقصدِ زندگی بنایا کہ آپ کا ہر عمل بار بار ذکر کے قابل ہے تاکہ ایمان تازہ ہو اور صراطِ مستقیم کی شاہ راہ کی حدیں واضح رہیں۔ حضرت ابوبکرؓ کے اتباعِ رسولؐ کو علامہ اقبال یوں بیان کرتے ہیں ؎

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس صدیقؓ کے لیے ہے خدا کا رسولؐ بس

اقبال ہی کے الفاظ میں ابوبکرؓ "ثانیِ اسلام و غار و بدر و قبر" کا مقام رکھتے ہیں۔ یہ مقام خاص جناب صدیق اکبرؓ کا ہے، کسی اور کا نہیں! سرکارِ رسالت مآبؐ فرماتے ہیں۔ "میں نے جس کو بھی اسلام کی دعوت دی اُس نے کچھ نہ کچھ حجت کی، صرف حضرت ابوبکرؓ نے بغیر کسی پس و پیش کے دعوت قبول کی۔" آپ کا یہ ارشاد مبارک بھی ہے کہ "میں نے ہر ایک کے احسانات کا بدلہ دُنیا ہی میں دے دیا۔ مگر ابوبکر صدیقؓ کے احسانات کا بدلہ یہاں پورا نہیں ہوا۔" حضرت ابوبکرؓ ہر وقت اپنا سب کچھ رسولِ خدا کے معمولی اشارے پر لٹا دینے کے لیے تیار رہتے۔ موقع کے مطابق جس چیز کی ضرورت ہوتی آپ کی طرف سے پیش کر دی جاتی۔ اور جو عمل بھی مطلوب ہوتا برضا و رغبت کر دیا جاتا۔ آپ کی

نیکیوں کا کیا شمار کہ حضرت عمر فاروقؓ (جن کے بارے میں ارشادِ نبویؐ ہے کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمرؓ ہوتے) کا فرمان ہے کہ ابوبکرؓ کی ایک غارِ ثور کی رات کی نیکی میری تمام عمر کی نیکیوں کے برابر ہے۔ یہ فضائل اور یہ مقام جن وجوہات کی بنا پر صدیق اکبرؓ کو حاصل تھا۔ ان کے بارے میں ارشادِ نبویؐ ہے کہ:

"ابوبکر کو کثرت صلوات کی بنا پر تم (صحابہ کرام) پر فضیلت نہیں، بلکہ اس سر کے سبب ہے جو اُن کے سینے میں قرار پائے"۔

حضرت ابوبکرؓ صدیق نے نبی اکرمؐ کے انتقال کے بعد بڑے نازک حالات میں دین کو بعد میں آنے والوں تک بالکل اسی حالت میں منتقل کیا جس حالت میں نبی اکرمؐ چھوڑ گئے تھے۔ آپ نے اپنی قربانیوں اور فہم و فراست کی بنا پر صراطِ مستقیم میں کوئی خم نہ آنے دیا۔ آپ کا ہر عمل قرآن و سنت کے مطابق تھا۔ تجارت کی، مال کمایا، اللہ کی راہ میں خرچ کیا، خلافت بھی کی، مگر جو کام کیا ایسا کیا کہ اس کا حق ادا کر دیا۔ آپ کی ساری زندگی گواہ ہے کہ انبیاء کے بعد افضل ترین مقام کے حقدار آپ ہی ہیں۔ مشاورت بھی کی، مگر نازک ترین حالات میں مشاورت کے خلاف بھی عمل کیا[1]۔ کیونکہ جناب صدیقؓ کے نقطۂ نظر سے قرآن و سنت کا تقاضا دوسرا تھا۔ آپ عرب کے امیر ترین تاجروں میں سے تھے۔ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے دین کی خاطر اتباعِ رسولؐ کی راہ میں قربان کر دیا۔ اور جب آخری وقت قریب آیا تو اہلِ خانہ سے کہا کہ گھر کا سامان فروخت کر کے جتنا وظیفہ خلافت کے دوران

[1] یہ رائے صاحبِ مضمون کی ہے۔ اور سلف سے کئی بزرگوں نے اسی کو اختیار کیا ہے، مگر دوسری رائے اسی وزن کی یہ بھی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی طرف سے دو ایک مشاورتوں میں جوش و جذبہ کے ساتھ جو اختلافی اظہارِ رائے ہوا اُس میں استدلال بھی شامل تھا۔ اور اہلِ شوریٰ اس سے متاثر ہو کر آپ کے ہم نوا بن گئے۔ نہ یہ کہ اہلِ شوریٰ دوسری رائے پر قائم رہے ہوں۔ اور جناب صدیق نے اپنی مرضی سے کام کر دیا ہو۔

(ن ۔ ص)

بیت المال سے ملا ہے وہ لوٹا دیا جائے۔ ایسا ہی کیا گیا اور آخر میں اتنا کچھ نہ بچا کہ آپ کو کفن دفن کا انتظام ہو جاتا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ ابو بکرؓ آپ نے ثابت کر دیا کہ منصب خلافتِ رسولؐ کے حق دار آپ ہی تھے۔ اور آپ نے بعد میں آنے والوں کے لیے کام مشکل کر دیا۔ یعنی آپ کے بعد جو بھی آپ کا جانشین ہو گا اُسے آپ کے نقشِ قدم پر ہی چلنا ہو گا۔ تو یہ ہیں صدیقین کی صفات جن کی تقلید اتباع نبی سے مطابقت رکھتی ہے ایسی ہی ہستیاں صراطِ مستقیم کے مسافروں کی رہنمائی کر سکتی ہیں۔ ایسے حضرات صراطِ مستقیم کے خدو خال کو سمجھتے ہیں اور سچائی کے سانچے میں ایسے ڈھل گئے ہوتے ہیں کہ قرآن و سنت کے خلاف کوئی بات اُن کے دماغ میں اُتر ہی نہیں سکتی۔

اس کے بعد شہید کے صراطِ مستقیم پر ہونے کی تصدیق ربِ غفور نے خود فرمائی ہے۔ شہید کا لفظ قرآنِ حکیم میں گواہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اس سے مراد وہ شخص ہے جو اپنے ایمان کی صداقت پر زندگی کے پورے طرزِ عمل سے شہادت دے۔ اللہ کی راہ میں جان دینے والے کو بھی شہید اس لیے کہتے ہیں کہ وہ جان دے کر ثابت کرتا ہے کہ جس چیز پر وہ ایمان لایا ہے اُسے سچے دل سے حق سمجھتا ہے اور اس کے لیے جان کی قربانی دینے سے بھی اس نے دریغ نہیں کیا۔ ایسے لوگوں کو بھی شہید کہا جاتا ہے جو اس قدر قابلِ اعتماد ہوں کہ جس بات پر وہ شہادت دے دیں اس کا برحق ہونا بلا تامل تسلیم کر لیا جائے۔ ہر سچا مومن شہید ہے۔ کیونکہ اس سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ دینِ حق پر بوقت ضرورت جان بھی قربان کر دے گا اور پھر بھی بقول اقبال صدا یہی آئے گی کہ "حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا"۔ ہر مومن کے شہید کے مقام پر فائز ہونے کے حق میں قرآن پاک میں ایک سے زیادہ دفعہ ارشاد ہوا ہے۔ مثلاً: لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ۔ شہید ہونے کے لیے قتل ہو جانا ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ یہ انسان کے اختیار سے خارج ہے۔

جناب حضرت اسماعیلؑ بھی بغیر ذبح ہوئے ذبیح اللہ بنے۔ اور رب نے خود فرمایا کہ اے ابراہیمؑ تم نے خواب کو سچا کر دکھایا۔ اور قربانی کو ایسی قبولیت نصیب ہوئی کہ قیامت تک دنیا کے کونے کونے میں اس کی یاد تازہ کی جاتی رہے گی۔ اپنی تمام تر ہستی، تمام زندگی اور

تمام قوتوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے پیش کر دینا ہی انسان کے اختیار میں ہے اور یہی مطلب لفظِ مسلم کا ہے اور ایسا شخص یقیناً صراطِ مستقیم پر ہے۔

آخر میں صراطِ مستقیم پر رہنمائی کرنے والوں کو قرآن نے صالحین کہا ہے۔ صالحین وہ نیکوکار انسان ہیں جو نیکی کی سیدھی اور فطری راہ پر استقامت سے قائم رہیں۔ جو اپنے خیالات و عقائد، نیت اور ارادوں اور اقوال و افعال میں راہِ راست پر قائم رہیں۔ تمام برائی کے راستوں سے کنارہ کش رہیں۔ یہ مقام فقط محدود نوعیت کے ذکر و اذکار ہی سے حاصل نہیں ہو سکتا بلکہ پوری خدا پرستی سے حاصل ہوتا ہے۔ جہاں اللہ نے کسی عمل کے کرنے کا حکم دیا ہے وہاں اُسے کرنا نیکی ہے اور جہاں وہی عمل نہ کرنے کا حکم دیا ہے، وہاں اُسے ترک کرنا نیکی ہے۔ بلکہ نیکی کا اصل تقاضا یہ کوشش کرنا ہے کہ کسی ممنوعہ عمل کو کوئی دوسرا بھی نہ کرے۔ پھر نیک اعمال یعنی معروف کے بھی درجات اور ترجیحات ہیں۔ مسجد میں باجماعت نماز پڑھنا گھر میں نماز ادا کرنے کے مقابلے میں یقیناً بڑی نیکی ہے۔ رزق حلال کے لیے جائز طریقے سے سعی کرنا، قرآن سیکھنا اور سکھانا، نوافل پڑھنا اور اللہ کے ذکر میں مشغول رہنا نیکی کے کام ہیں۔ مگر نہی عن المنکر اور جہاد کی پکار آجائے تو قرآن و حدیث کا فہم رکھنے والا ہر مسلمان یہ جانتا ہے کہ ایسے موقع پر مقدم عمل کون سا ہوگا۔ یہاں پر تو انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کی سنت یہی ہے کہ جہاد کی پکار پر لبیک کہہ کر اپنا سب کچھ پیش کر دیا جائے اور یہی مطلب لفظِ مسلم کا ہے۔ ایک صالح انسان کی ترجیحات موقع محل کے لحاظ سے اللہ کے احکامات کے مطابق ہوں گی۔ نفل نمازوں، ـــــ نفلی روزوں اور صدقات و خدمات بھی ضروری اور مفید ہیں، مگر ان سب سے بڑی نیکی دوسرے انسانوں کو جہنم کی آگ سے بچانے اور نیکی کے کاموں میں تعاون اور بدی کا مقابلہ کرنے میں ہے۔ کیونکہ فرمانِ رب ہے:۔

"اور دیکھو نیکی یہ نہیں ہے کہ تم نے اپنا منہ مغرب یا مشرق کی طرف پھیر لیا، نیکی کا وسیع تصور تو یہ ہے کہ انسان اللہ پر، آخرت پر، ملائکہ پر، تمام کتابوں پر، تمام انبیاء پر ایمان لاتا ہے اور اپنا مال خدا کی محبت کی راہ میں

رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور سائلوں کو دیتا ہے اور غلاموں کو آزاد کرنے میں صرف کرتا ہے، نماز قائم کرتا ہے، زکوٰۃ دیتا ہے، قول و قرار کا پکا ہے، تنگی یا مصیبت کی گھڑی ہو یا خوف و ہراس کا وقت ہو، ہر حالت میں ثابت قدم رہتا ہے۔ ایسے ہی لوگ ہیں جو سچے ہیں۔ اور یہی ہیں جو بُرائیوں سے بچنے والے ہیں۔" (۲: ۱۷۷)

پھر دوسری جگہ یوں ارشاد ہوتا ہے۔

"کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجدِ حرام کی مجاوری کرنے کو اس شخص کے کام کے برابر ٹھہرا لیا، جو ایمان لایا اللہ پر اور روزِ آخرت پر، اور جس نے جدوجہد کی اللہ کی راہ میں۔ اللہ کے نزدیک تو یہ دونوں برابر نہیں ہیں۔ اور اللہ ظالموں کی راہنمائی نہیں کرتا۔ اللہ کے ہاں تو انہی لوگوں کا درجہ بڑا ہے جو ایمان لائے اور جنہوں نے اس کی راہ میں گھر بار چھوڑے اور جان و مال سے جہاد کیا وہی کامیاب ہیں۔ ان کا رب انہیں اپنی رحمت اور خوشنودی اور جنتوں کی بشارت دیتا ہے۔ جہاں ان کے لیے پائدار عیش کے سامان ہیں۔ ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یقیناً اللہ کے پاس صلہ دینے کا بہت کچھ ہے۔" (۹: ۱۹–۲۲)

ایک صالح مومن کی تعریف اقبالؒ ان الفاظ میں کرتے ہیں ؎

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن
قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

مندرجہ بالا صفات کے لوگ صراطِ مستقیم پر رہنمائی کر سکتے ہیں، مگر ان کی پہچان میں احتیاط لازمی ہے، اور یہ قرآن و حدیث کی روشنی میں ہی کرنی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے صراطِ مستقیم کی پہچان کو مزید آسان کرنے کے لیے اس کی ضد اور مخالف راہ کو بھی واضح کر دیا تاکہ

صراطِ مستقیم کا مسافر ٹیڑھی راہوں سے بچتا رہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ "غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ" یعنی صراطِ مستقیم کی مخالف راہ وہ ہے جس پر مغضوب اور الضالین چل رہے ہیں۔ انعام کی ضد غضب ہے۔ فرماں بردار لوگ اگر انعام کے حقدار ہیں تو نافرمان غضب کے حقدار ہونے چاہئیں۔ مغضوب وہ لوگ ہیں جنہوں نے راہِ حق پائی اور اس کی نعمتیں بھی پالیں، مگر پھر منحرف ہوگئے اور محرومی اور شقاوت کی راہ اختیار کرلی۔ دین کے احکامات کو جاننے اور پہچاننے کے باوجود شرارت یا نفسانی خواہشات کی وجہ سے خلاف ورزی کرتے رہے۔ جیسے عام طور پر یہود کا حال تھا کہ دُنیا کے مفاد کی خاطر دین کو قربان کرتے اور انبیاء کی توہین کرتے۔ "الضالین" وہ لوگ ہیں جو جہالت، ناواقفیت یا تعصب کی بنا پر راہِ حق پا ہی نہ سکے اور دین کے معاملے میں غلط راہ پر پڑ گئے، یا مقررہ حدود سے نکل کر افراط و تفریط میں مبتلا ہوگئے۔ مثلاً انبیاءؑ کی تعظیم میں اتنے بڑھ گئے کہ اُن کو خدا بنا لیا۔ ایک طرف تو اُن کی بات نہ مانتے اور دوسری طرف ان کی تعلیمات کے خلاف ان کو خدائی کا درجہ دیا۔ چنانچہ صراطِ مستقیم کی سعادتوں سے محروم رہے۔

(باقی)

التماس

ماہنامہ ترجمان القرآن کے کرم فرماؤں سے التماس ہے کہ وہ دفتر سے خط و کتابت کرتے وقت اپنا خریداری نمبر اور پتہ خوشخط اور مفصل تحریر کیا کریں۔

(مینجر)